فرقہ
دیوبند کی
تخریب کاریاں

از علامہ عبد الحکیم اختر خاں
شاہجہانپوری رحمۃ اللہ علیہ

۳- دیوبندی جماعت کی تخریب کاری

جب وہابیہ کی اوّلین جماعت ، جس نے محمدی گروہ سے اہلحدیث تک کے اپنے اُوپر لیبل لگائے وہ مسلمانوں میں ذرا بھی مقبولیت حاصل نہ کر سکی اور برٹش گورنمنٹ کا خوابِ افتراق بین المسلمین شرمندۂ تعبیر ہونے سے مجبور ہو کر رہ گیا تو حکومت نے کتابِ وہابیت کا دوسرا ایڈیشن شایع کیا، جو آج دیوبندیت کے نام سے متعارف اور اہلِ حق کے لیے مکمل دردِ سر کا باعث ہو کر رہ گیا ہے۔

غیر مقلد حضرات چونکہ اپنے بعض مخصوص افعال یعنی آمین بالجہر، سینے پر ہاتھ باندھ کر نماز پڑھنا، رفعِ یدین کرنا اور آٹھ تراویح ایک وتر وغیرہ کے باعث پہچان لیے جاتے تھے اور ایک جاہل مسلمان بھی اِن کے پھندے میں نہیں پھنستا تھا۔ نہ مسلمانوں نے اِس

لہ عبدالجبار، مولوی: سوانح عمری عبداللہ غزنوی، ص ۲۰

نام کی کوئی جماعت دیکھی یا سُنی تھی اور نہ یہ افعال اِس طرح اُن کے مشاہدے یا علم میں آئے تھے اِس لیے وہ چند سر پھرے مبتدعین کی کوئی بات سُننا گوارا ہی نہیں کرتے تھے۔ اِس رکاوٹ کو دور کرنے کی خاطر وہابیوں کی دوسری جماعت ایسی تیار کی جو پُراسرار طریقے پر وہابیت کی نشر و اشاعت کرے۔ دیوبندی حضرات نے منافقت اور عیاری کی انتہا کرتے ہُوئے اپنے کام کا آغاز کر دیا۔ یہ حضرات دعوٰی سُنّی حنفی ہونے کا کرتے ہیں، پیری مریدی تک کا ڈھونگ رچاتے ہیں لیکن کام سارا وہابیت کا کرتے ہیں۔ یہ خوشنما لیبل محض اس غرض سے لگاتے ہیں کہ مسلمانانِ اہلسنت وجماعت اِنھیں وہابی شمار نہ کریں بلکہ سُنّی حنفی جان کر برضا و رغبت اِن کے جال میں پھنستے چلے جائیں۔ جال بھی اِن حضرات کے پاس ایسے خوشنما ہیں جو نالیفِ قلوب کے ساز و سامان سے پوری طرح آراستہ و پیراستہ ہیں۔ اب اِن حضرات کی چند خصوصیات پیش کی جاتی ہیں، وباللہ التوفیق۔

اسمٰعیل پرستی یہ جماعت بھی اہلحدیث اور دیگر وہابی حضرات کی طرح مولوی محمد اسمٰعیل دہلوی کو منصبِ الوہیت پر فائز کیے ہُوئے ہے، جو قرآنِ کریم کی اصطلاح میں اَرۡبَابًا مِّنۡ دُوۡنِ اللّٰہِ بنانا کہلاتا ہے۔ دیوبندی حضرات بھی قرآن وحدیث کے مفہوم و مطالب میں تبدیلی کرلیں گے لیکن مولوی اسمٰعیل دہلوی کی کسی گندی سے گندی بات کو غلط تسلیم کرلیں، یہ اِن حضرات سے بہت بعید ہے۔ عملاً اِن حضرات کے نزدیک دین کا اولین ماخذ، سوائے زمانہ تصنیف یعنی تقویۃ الایمان ہے۔ اِس کتاب کے پیش کردہ غیر اسلامی عقاید، غلط مسائل اور مقربینِ بارگاہِ الٰہیہ کی شان میں جاری کیے ہُوئے بیہودہ کلمات و مغلظات کو غلط مان لینا دیگر وہابیہ کی طرح اِن حضرات کے بس سے باہر ہے۔ دیوبندی حضرات بھی قرآن وحدیث کی کسوٹی پہ تقویۃ الایمان کو پرکھنے کی ہرگز اجازت دینے کے لیے تیار نہیں ہوتے، ہاں تقویۃ الایمانی مندرجات کی صحت ثابت کرنے کی غرض سے آیات واحادیث کو کھینچ تان کر اِس کی تائید وحمایت میں پیش کرنے کی جسارت ضرور کرتے رہتے ہیں۔ تقویۃ الایمان کو اسلام کا نچوڑ ثابت کرنے کی خاطر آیات واحادیث میں معنوی تحریف کرنا دیوبندیوں کے نزدیک قطعاً جُرم نہیں، گناہ نہیں، ہاں اِس بات کو ضرور اپنے ساختہ دین و

کو ہدایت کرنے والے تھے اور تمام عمر اِسی حالت میں رہے آخر کار فی سبیل اللہ جہاد میں کفّار کے ہاتھ سے شہید ہُوئے۔ پس جس کا ظاہر حال ایسا ہو وہ ولی اللہ اور شہید ہے۔ حق تعالیٰ فرماتا ہے: ان اولیاءہ الا المتقون اور کتاب تقویۃ الایمان نہایت عمدہ کتاب ہے اور ردِّ شرک و بدعت میں لاجواب ہے۔ استدلال اس کے بالکل کتاب اللہ اور احادیث سے ہیں۔ اُس کا رکھنا اور پڑھنا اور عمل کرنا عین اسلام ہے اور موجب اجر کا ہے۔ اِس کے رکھنے کو جو بُرا کہتا ہے وہ فاسق اور بدعتی ہے۔ اگر اپنے جہل سے کوئی اِس کتاب کی خوبی نہ سمجھے تو اُس کا قصور فہم ہے کتاب اور مؤلفِ کتاب کی کیا تقصیر، بڑے بڑے عالمِ اہلِ حق اِس کو پسند کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اگر کسی گمراہ نے اُس کو بُرا کہا تو وہ خود ضال و مضل ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ الراجی رحمۃ ربہ رشید احمد گنگوہی عفی عنہ [1]

(۵)

جواب: بندہ کے نزدیک سب مسائل اُس (تقویۃ الایمان) کے صحیح ہیں اگرچہ بعض مسائل میں بظاہر تشدد ہے اور توبہ کرنا اُن کا بعض مسائل سے محض افتراء اہلِ بدعت کا ہے اور اگر اُن کو بزرگ نہ جانے، جھوٹے حالات اُن کے سُن کر، تو معذور ہے اور اگر کتاب کے خلاف عقیدہ رکھتا ہے تو وہ مبتدع فاسق ہے اور وہ فرماتے تھے کہ جب تک حدیث صحیح غیر منسوخ ملے، اُس پر عامل ہوں ورنہ ابُوحنیفہ کی رائے کا مقلد ہوں اور سید صاحب کا بھی یہی مشرب تھا اور محمد بن عبدالوہاب کے عقاید کا مجھ کو مفصل حال معلوم نہیں اور نہ خلفاء سید صاحب کا۔ اور مولوی اسمٰعیل صاحب وعظ و ردِّ بدعت میں مصروف رہے پھر جہاد میں جا کر شہید ہو گئے۔ سلسلہ بیعت کا کہاں جاری کرتے اور تمام تقویۃ الایمان پر عمل کرے۔ فقط

رشید احمد گنگوہی عفی عنہ [2]

مولوی محمد اسمٰعیل دہلوی اور تقویۃ الایمان کے بارے میں دیوبندی جماعت کے

---

[1] رشید احمد گنگوہی، مولوی: فتاویٰ رشیدیہ مبوب، ص ۴۱

[2] ایضاً: ص ۴۴

سرخیل و سنگِ بنیاد رکھنے والے مولوی رشید احمد گنگوہی کے خیالات فتاویٰ رشیدیہ سے بغیر کسی تنقید و تبصرہ کے پیش کر دیے ہیں۔ طوالت کے خوف سے دیگر اکابر دیوبند کے اس بارے میں خیالات پیش کرنا مناسب نہیں سمجھا گیا۔ لہٰذا ان پر ہی اکتفا کرتا ہوں۔

امکانِ کذب یہ خبیث عقیدہ جو کبھی مولوی محمد اسمٰعیل دہلوی نے گھڑا اور اپنے رسالہ یکروزی کے ذریعے مشتہر کیا تھا اور جو پوری شریعتِ مطہرہ کو باطل ٹھہرانے کے لیے کافی ہے، ۱۲۴۶ھ/ ۱۸۳۱ء میں بالاکوٹ کے اندر دفن ہو گیا تھا۔ غیر مقلد حضرات نے اس باطل نظریہ سے دامن چھڑانے کی کوشش کی اور اپنی تصانیف میں اس کی جانب سے خاموشی برتی۔ اٹھاون سال بعد مولوی رشید احمد گنگوہی صاحب نے اس مُردے کو دوبارہ زندہ کیا اور ہزار ردّ و تردید کے باوجود جیتے جی اسے مرنے نہ دیا۔ شاید مولوی محمود حسن دیوبندی کے اس شعر:

مُردوں کو زندہ کیا، زندوں کو مرنے نہ دیا
اس مسیحائی کو دیکھیں ذری ابنِ مریم

کا صحیح مفہوم یہی ہے کہ ۱۳۰۴ھ میں براہینِ قاطعہ کے اندر دوبارہ یہ مسئلہ چہل قدمی کرتا ہوا نظر آیا، جسے اپنے شاگرد مولوی خلیل احمد انبیٹھوی کے نام سے شائع کروایا تھا۔ چنانچہ اس میں لکھا ہے:

"امکانِ کذب کا مسئلہ تو اب جدید کسی نے نہیں نکالا بلکہ قدما میں اختلاف ہوا ہے کہ خلفِ وعید آیا جائز ہے کہ نہیں۔"[1]

اگلے صفحے پر موصوف نے اسی بات کو یوں دُہرایا ہے:

"امکانِ کذب کہ خلفِ وعید کی فرع ہے جو قدماء میں مختلف فیہ ہو چکا ہے۔"[2]

مشعلِ راہ کی جلد دوم میں ان شاء اللہ تعالیٰ اس مسئلے پر مفصل بحث ہو گی، اس لیے ہم یہاں کسی قسم کی تنقید و تبصرہ کرنے کا حق محفوظ رکھتے ہیں۔ وہاں واضح کیا جائے گا کہ دیوبندی

---

[1] خلیل احمد انبیٹھوی، مولوی: براہینِ قاطعہ، مطبوعہ دیوبند، ص ۶

[2] ایضاً: ص ۷

حضرات وقوعِ کذب تک کے قائل ہیں۔

انکارِ ختمِ نبوّت

سید احمد صاحب دعویٰ نبوت کی تیاریاں کر رہے تھے لیکن مہدیت کے دعوے تک ہی پہنچے تھے کہ پٹھانوں کے خنجروں نے بنا بنایا کھیل بگاڑ دیا۔ اُن کے بعد دارالعلوم دیوبند کے بانی مولوی محمد قاسم نانوتوی کو تیار کیا گیا۔ موصوف نے تحذیر الناس کتاب لکھ کر عقیدۂ ختمِ نبوت پر تیشہ زنی کی اور خاتمیت مرتبی کے نام سے تقریباً تیرہ صدیوں کے بعد ایک خاتمیت گھڑی جس کے سننے سے مسلمانوں کے کان ناآشنا رہے تھے۔ یہ تھا دعویٰ نبوت کے لیے چور دروازہ تیار کرنا، لیکن عمر نے وفا نہ کی اور کتاب کے منظرِ عام پر آنے کے چند سال بعد راہیِ ملکِ عدم ہو گئے اور موصوف کا کھولا ہوا دروازہ مرزا غلام احمد قادیانی کے کام آیا۔ اب ملاحظہ ہو کہ نانوتوی صاحب نے اُس عقیدۂ ختمِ نبوت کو، جس کی تشریح خود نبی آخر الزماں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے لَا نَبِیَّ بَعۡدِیۡ کے لفظوں میں فرمائی تھی، اسی خاتمیت کو موصوف نے بے وقوفوں کا خیال اور خلافِ قرآن بتایا ہے، چنانچہ لکھا ہے:

"عوام کے خیال میں تو رسول اللہ کا خاتم ہونا بایں معنی ہے کہ آپ کا زمانہ انبیاء سابق کے زمانہ کے بعد اور آپ سب میں آخری نبی ہیں، مگر اہلِ فہم پر روشن ہوگا کہ تقدم یا تاخر زمانے میں بالذات کچھ فضیلت نہیں۔ پھر مقامِ مدح میں ولٰکن رسول اللہ وخاتم النبیّین فرمانا اس صورت میں کیونکر صحیح ہو سکتا ہے۔ ہاں اگر اس وصف کو اوصافِ مدح میں سے نہ کہیے اور اس مقام کو مقامِ مدح نہ قرار دیجیے تو البتہ خاتمیت باعتبار تاخر زمانی صحیح ہو سکتی ہے، مگر میں جانتا ہوں کہ اہلِ اسلام میں سے کسی کو یہ بات گوارا نہ ہوگی کہ اس میں ایک تو خدا کی جانب نعوذ باللہ زیادہ گوئی کا وہم ہے۔ آخر اس وصف میں اور قد و قامت و شکل و رنگ و حسب و نسب و سکونت وغیرہ اوصاف میں جن کو نبوت یا اور فضائل میں کچھ دخل نہیں، کیا فرق ہے، جو اس کو ذکر کیا اوروں کو ذکر نہ کیا؟ دوسرے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب نقصانِ قدر کا احتمال، کیونکہ اہلِ کمال کے کمالات ذکر کیا کرتے ہیں اور ایسے ویسے لوگوں کے اس قسم کے احوال

بیان کیا کرتے ہیں۔ اعتبار نہ ہو تو تاریخوں کو دیکھ لیجیے۔ باقی یہ احتمال کہ یہ دین آخری دین تھا، اس لیے سدِ باب اتباع مدعیانِ نبوت کیا ہے جو کل جھوٹے دعوی کر کے خلائق کو گمراہ کریں گے، البتہ فی حدِ ذاتہ قابلِ لحاظ ہے پر جملہ ماکان محمد ابا احد من رجالکم اور جملہ ولکن رسول اللہ وخاتم النبیین میں کیا تناسب تھا جو ایک کو دوسرے پر عطف کیا اور ایک مستدرک منہ اور دوسرے کو استدراک قرار دیا اور ظاہر ہے کہ اِس قسم کی بے ربطی اور بے ارتباطی خدا کے کلام معجز نظام میں متصور نہیں۔ اگر سدباب مذکور ہی منظور تھا تو اس کے لیے اور بیسیوں موقعے تھے۔"[1]

اب اِس سے آگے موصوف یُوں اپنے اظہارِ مدعا کی جانب پیش قدمی کرتے ہیں:

"تفصیل اِس اجمال کی یہ ہے کہ موصوف بالعرض کا قصہ موصوف بالذات پر ختم ہو جاتا ہے۔"[2]

اسی بات کو نانوتوی صاحب نے ذرا یُوں کُھل کر بیان کر دیا ہے:

"آپ موصوف بوصفِ نبوت بالذات ہیں اور سوا آپ کے اور نبی موصوف بوصفِ نبوت بالعرض۔ اوروں کی نبوت آپ کا فیض ہے پر آپ کی نبوت کسی اور کا فیض نہیں۔ آپ پر سلسلۂ نبوت مختتم ہو جاتا ہے۔"[3]

اب اِس بات کو بالذات و بالعرض سے علیحدہ ہو کر خاتمیت مرتبی و خاتمیت زمانی کی اصطلاحوں میں دیکھیے اور نانوتوی صاحب کے نقطۂ نظر کو سمجھنے کی کوشش کیجیے۔ موصوف نے لکھا ہے:

"ہاں اگر بطور اطلاق یا عموم مجاز اِس خاتمیت کو زمانی اور مرتبی سے عام لے لیجیے تو پھر دونوں طرح کا ختم مراد ہو گا پر ایک مراد ہو تو شایان شانِ محمدی صلعم خاتمیت مرتبی ہے نہ زمانی۔"[4]

---

[1] محمد قاسم نانوتوی، مولوی، تحذیر الناس، مطبوعہ لاہور، ص ۳ [2] ایضاً: ص ۴
[3] ایضاً، ص ۴ [4] ایضاً: ص ۹

اور موصوف کی زبانی اُن کی گھڑی ہوئی خاتمیت مرتبی کا فائدہ بھی سُن لیجئے۔ اُنھوں نے لکھا ہے:

"غرض اختتام اگر بایں معنی تجویز کیا جاتے جو میں نے عرض کیا تو آپ کا خاتم ہونا انبیاء گزشتہ ہی کی نسبت خاص نہ ہوگا بلکہ اگر بالفرض آپ کے زمانے میں بھی کہیں اور کوئی نبی ہو جب بھی آپ کا خاتم ہونا بدستور باقی رہتا ہے۔" ؎۱

خاتمیت مرتبی کا نانوتوی صاحب نے دوسرا فائدہ یہ بتایا ہے:

"ہاں اگر خاتمیت بمعنی اتصاف ذاتی بوصف نبوت لیجیے جیسا کہ اِس ہیچمدان نے عرض کیا ہے تو پھر سواء رسول اللہ صلعم اور کسی کو افراد مقصود بالخلق میں سے مماثل نبوی صلعم نہیں کہہ سکتے بلکہ اِس صورت میں فقط انبیاء کی افرادِ خارجی ہی پر آپ کی افضلیت ثابت نہ ہوگی افراد مقدرہ پر بھی آپ کی افضلیت ثابت ہو جائے گی۔ بلکہ اگر بالفرض بعد زمانہ نبوی صلعم بھی کوئی نبی پیدا ہو تو پھر بھی خاتمیت محمدی میں کچھ فرق نہ آئے گا، چہ جائیکہ آپ کے معاصر کسی اور زمین میں یا فرض کیجیے اِسی زمین میں کوئی اور نبی تجویز کیا جائے۔" ؎۲

اگر کوئی کہے کہ اللہ و رسول نے تو خاتمیت سے مراد خاتمیت زمانی بتائی تھی، اُمتِ محمدیہ نے یہی سمجھی اور آنے والوں کو تیرہ سو سال تک سمجھائی تھی۔ نانوتوی صاحب! آپ اُس خاتمیت زمانی کا تو انکار بلکہ بیخ کنی کر رہے ہیں اور اُس کی جگہ ایک خانہ ساز خاتمیت پیش کر رہے ہیں، جس کو خاتمیت مرتبی کا نام دیا ہے۔ کیا یہ بزرگوں کی توہین نہیں کہ اُنھیں ایسے ضروری عقیدہ سے جاہل ٹھہرایا جا رہا ہے ورنہ بصورتِ دیگر آپ دین میں ایک نیا عقیدہ پوری اُمتِ محمدیہ کے خلاف داخل کر کے مداخلت فی الدین کے مرتکب ہو رہے ہیں۔ اِس سلسلے میں نانوتوی صاحب کا جواب ملاحظہ ہو:

"باقی رہی یہ بات کہ بڑوں کی تاویل کو نہ مانیے تو اُن کی تحقیر نعوذ باللہ لازم آئیگی،

؎۱ محمد قاسم نانوتوی، مولوی: تحذیر الناس، ص ۱۵

؎۲ ایضاً: ص ۳۲

یہ انھیں لوگوں کے خیال میں آسکتی ہے جو بڑوں کی بات فقط از راہِ بے ادبی نہیں مانا کرتے۔ ایسے لوگ اگر ایسا سمجھیں تو بجا ہے۔ المرء یقیس علیٰ نفسہ۔ اپنا یہ وطیرہ نہیں۔ نقصانِ شان اور چیز ہے اور خطا و نسیان اور چیز۔ اگر بوجہ کم التفاتی بڑوں کا فہم کسی مضمون تک نہ پہنچا تو اُن کی شان میں کیا نقصان آگیا؟ اور کسی طفلِ ناداں نے کوئی ٹھکانے کی بات کہہ دی تو کیا اتنی بات سے وہ عظیم الشان ہوگیا؟ ؎

گاہ باشد کہ کودکِ ناداں
بغلط بر ہدف زند تیرے" [1]

ستم ظریفی تو ملاحظہ ہو کہ بانیِ دار العلوم دیوبند ہی نے عقیدۂ ختمِ نبوت پر تیشہ زنی کی لیکن دیوبندی حضرات کے نزدیک اِس سے نانوتوی صاحب کی بزرگی میں بال برابر فرق نہ آیا۔ اِس کرتوت پر پردہ ڈالنے بلکہ بے خبر مسلمانوں کو دھوکے میں رکھنے کی خاطر عقیدہ ختمِ نبوت کے تحفظ میں علمائے دیوبند شروع ہی سے علمائے اہلسنّت سے بھی آگے بڑھنے کی کوشش کرتے رہتے ہیں، حالانکہ حقیقت کے چہرے سے پردہ اٹھایا جائے تو صاف نظر آنے لگے کہ: ع

قائدِ مرزا انھیں کا صاحبِ تحذیر ہے

تنقیصِ رسالت کی ناقابلِ فہم جسارت

مولوی خلیل احمد انبیٹھوی نے اپنی رسوائے زمانہ کتاب براہین قاطعہ میں فخرِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے محیطِ زمین کے حصولِ علم سے انکار کرتے ہوئے صاف لکھ دیا:

"الحاصل غور کرنا چاہیے کہ شیطان و ملک الموت کا حال دیکھ کر علم محیط زمین کا فخرِ عالم کو خلاف نصوص قطعیہ کے بلا دلیل محض قیاس فاسدہ سے ثابت کرنا شرک نہیں تو کون سا ایمان کا حصّہ ہے۔ شیطان و ملک الموت کو یہ وسعت

---

[1] محمد قاسم نانوتوی، مولوی: تحذیر الناس، ص ۳۲

نص سے ثابت ہوئی، فخرِ عالم کی وُسعت علم کی کون سی نص قطعی ہے کہ تمام نصوص کو ردّ کر کے ایک شرک ثابت کرتا ہے"۔[1]

انبٹھوی صاحب نے جب علم محیط زمین مخلوق میں سے شیطان و ملک الموت کے لیے تسلیم کر لیا اور وُہ بھی نصوص سے، تو ثابت ہُوا کہ یہ ایسا علم ہے جو مخلوق کو حاصل ہو سکتا ہے اور باری تعالیٰ کے ساتھ خاص نہیں۔ اِس حقیقت کے پیشِ نظر مذکورہ عبارت کے بارے میں چند سوال ذہن میں اُبھرتے ہیں:

۱۔ فخرِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم کے لیے محیط زمین کے علم کا حصول شرک ٹھہرانا جو خاصۂ باری تعالیٰ بھی نہیں، ایسی جسارت کا باعث شانِ رسالت سے بغض و عداوت کے علاوہ اور کیا ہو سکتا ہے؟

۲۔ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم کی وسعتِ علم پر تو قرآن و حدیث کی سیکڑوں نصوص شاہد لیکن گنگوہی و انبٹھوی صاحبان پُوچھتے ہیں کہ: کون سی نص قطعی ہے۔ کہیں یہ خَتَمَ اللّٰہُ عَلٰی قُلُوْبِہِمْ وَعَلٰی سَمْعِہِمْ وَعَلٰی اَبْصَارِہِمْ غِشَاوَۃٌ وَّلَہُمْ عَذَابٌ عَظِیْمٌ ۝ والا معاملہ ہی تو نہیں ہے۔

۳۔ جب اِس علم کا حصول فخرِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم تک کے لیے ثابت کرنا شرک ہے تو شیطان و ملک الموت کے لیے ثابت ماننا کیوں شرک نہ ہُوا؟ کیا اِن دونوں کو خدا کا شریک بنانا جائز ہے؟

۴۔ جس علم کا مخلوق کے لیے اثبات شرک ہے، وُہ قرآن و حدیث نے شیطان و ملک الموت کے لیے ثابت کر کے خود شرک کی تعلیم دی یا نہیں؟

عداوت و محبت کا رنگ اپنی اپنی جگہ نرالا ہوتا ہے۔ جس طرح محبّت کبھی محبوب کی خرابی سامنے نہیں آنے دیتی اسی طرح عداوت خوبیوں کو نگاہوں سے اوجھل رکھتی ہے۔ گنگوہی و انبٹھوی صاحبان حقیقت میں سرورِ کون و مکاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی عداوت میں اِتنے

---

[1] خلیل احمد انبٹھوی، مولوی: براہینِ قاطعہ، ص ۵۵

پختہ کار ہو چکے تھے کہ اوّلین و آخرین کے علوم کی جامع ہستی کا علم اِن صاحبان کو نہ شیطان کے برابر نظر آتا تھا، نہ ملک الموت کے برابر، بلکہ ایک اُمتی کے برابر بھی دکھائی نہیں دیتا تھا۔ چنانچہ موصوف کے اُسی زہر آلود و ایمان سوز قلم نے یہ بھی لکھا ہوا ہے:

"اِن اولیاء کو حق تعالیٰ نے کشف کر دیا کہ اُن کو یہ حضورِ علم حاصل ہو گیا۔ اگر اپنے فخرِ عالم علیہ السلام کو بھی لاکھ گونہ اِس سے زیادہ عطا فرماوے ممکن ہے، مگر ثبوت فعلی اِس کا کہ عطا کیا ہے، کس نص سے ہے کہ اِس پر عقیدہ کیا جائے؟"[1]

بھلا عقل کی اس نارسائی، بخت کی تیرگی اور نورِ ایمان سے محرومی کا رونا کہاں تک رویا جائے کہ جس سرکار کے غلاموں کے لیے بذریعہ کشف اِس علم کا حصول خود تسلیم کر لیا، اُسی آقائے کائنات کے بارے میں اندر اور باہر کی سب آنکھیں بند ہو گئیں، قلم کی روشنائی اور زبان کی قوتِ گویائی وہی غلاموں خادموں جیسا علم تسلیم کرنے سے جواب دے گئی اور اِس پر عقیدہ قایم کرنے کے لیے ایک نص بھی نظر نہ آئی یا بینائی نے ساتھ نہ دیا بلکہ ثبوت فعلی کا انکار کر کے کائناتِ ارضی و سماوی کی اُس سب سے بڑی بارگاہ کے عقیدت مندوں، خادموں اور غلاموں کے قلب و جگر پر خنجر چلاتے ہوئے اسے ایسا شرک لکھ دیا جس میں ایمان کا کوئی حصّہ نہیں ہے۔ ؎

وہی انصاف سے کہہ دیں کہ ہے کس کی جگہ اچھی
بغل میں اِن کی ہم، پہلو میں وہ دشمن کے بیٹھے ہیں

اُدھر مولوی اشرف علی تھانوی (المتوفی ۱۳۶۲ھ/ ۱۹۴۳ء) سے ایک طویل سوال ہُوا۔ جس کے آخر میں سائل نے لکھا ہے: زید کا یہ استدلال اور عقیدہ و عمل کیسا ہے؟ تھانوی صاحب نے جواب میں یہ بھی لکھا:

"آپ کی ذاتِ مقدسہ پر علمِ غیب کا حکم کیا جانا اگر بقول زید صحیح ہو تو دریافت طلب یہ امر ہے کہ اِس غیب سے مراد بعض[1] غیب ہے یا کُل[2] غیب؟ اگر بعض علومِ غیبیہ مراد ہیں تو اِس میں حضور کی ہی کیا تخصیص ہے، ایسا علمِ غیب تو زید و عمرو بلکہ ہر صبی

---

[1] خلیل احمد انبیٹھوی، مولوی: براہین قاطعہ، ص ۵۶

ومجنون بلکہ جمیع حیوانات وبہائم کے لیے بھی حاصل ہے کیونکہ ہر شخص کو کسی نہ کسی ایسی بات کا علم ہوتا ہے جو دوسرے شخص سے مخفی ہے۔ تو چاہیے کہ سب کو عالم الغیب کہا جائے۔ پھر اگر زید اس کا التزام کرلے کہ ہاں میں سب کو عالم الغیب کہوں گا تو پھر علمِ غیب کو منجملہ کمالاتِ نبویہ شمار کیوں کیا جاتا ہے۔ جس امر میں مومن بلکہ انسان کی بھی خصوصیت نہ ہو وہ کمالاتِ نبوت سے کب ہوسکتا ہے اور التزام نہ کیا جاوے تو نبی وغیر نبی میں وجہِ فرق بیان کرنا ضرور ہے اور اگر تمام علومِ غیبیہ مراد ہیں، اس طرح کہ اس کی ایک فرد بھی خارج نہ رہے تو اس کا بطلان دلیل نقلی وعقلی سے ثابت ہے۔"[1]

اس عبارت میں تھانوی صاحب نے علمِ غیب کی دو قسمیں کی ہیں (۱) بعض غیب (۲) کل غیب۔ موخر الذکر کے بارے میں موصوف نے صاف لکھ دیا کہ "اگر تمام علومِ غیبیہ مراد ہیں، اس طرح کہ اس کی ایک فرد بھی خارج نہ رہے تو اس کا بطلان دلیل نقلی وعقلی سے ثابت ہے۔" اب باقی رہ گئی پہلی قسم یعنی بعض غیب۔ اس کے بارے میں موصوف نے بغیر کسی ہیر پھیر کے صاف لکھ دیا کہ "اگر بعض علومِ غیبیہ مراد ہیں تو اس میں حضور کی ہی کیا تخصیص ہے، ایسا علمِ غیب تو زید وعمرو بلکہ ہر صبی ومجنون بلکہ جمیع حیوانات وبہائم کے لیے بھی حاصل ہے۔" اس ناپاک عبارت میں تھانوی صاحب نے علی الاعلان کہہ دیا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام جیسا علمِ غیب تو زید وعمرو بلکہ بچوں، پاگلوں اور جانوروں کو بھی حاصل ہے (نعوذ باللہ من ذالک)۔ موصوف سے اس عبارت کو بدلنے اور اسلامی بنانے یا میدانِ مناظرہ میں آکر اسلامی ثابت کر دکھانے کا ہمیشہ مطالبہ رہا لیکن وہ اپنے کفریہ الفاظ کو بدلنے پر عمر بھر تیار نہ ہوئے نہ تقریر و تحریر کے میدان میں اسے اسلامی ثابت کرسکے، نہ موصوف کا کوئی حمایتی اس کفریہ عبارت کو ہرگز اسلامی ثابت کرسکتا ہے کیونکہ اس میں کسی اسلامی وایمانی پہلو کی تاویل کے لیے گنجائش ہی نہیں ہے۔ موجودہ دیوبندی حضرات کو اللہ تعالیٰ راہِ ہدایت وچشمِ بصیرت عطا فرمائے۔ آمین

---

[1] اشرف علی تھانوی، مولوی: حفظ الایمان، مطبوعہ نامی پریس لاہور، ص ۱۶

دیوبندیوں کی پیر پرستی

اہلسنّت کو اپنے بزرگوں سے عقیدت ہے اور ہونی چاہیے۔ یہ رشتہ اُن کی ظاہری زندگی میں جس طرح قائم رہتا ہے بعد وصال بھی اُس میں کوئی فرق نہیں آتا۔ عقیدت مندوں کی جانب سے مزارات پر حاضری اور بزرگوں کی جانب سے نوازشات کا سلسلہ جاری رہتا ہے اور انشاء اللہ تعالیٰ قیامت تک جاری رہے گا۔ مبتدعینِ زمانہ کے نزدیک اظہارِ عقیدت کے جملہ طریقے شرک قرار پاتے ہیں اور اپنی اسی خانہ ساز منطق کے تحت وہابی حضرات کو مسلمانانِ اہلسنّت وجماعت مشرک اور پیر پرست نظر آتے ہیں، حالانکہ سُنّیوں کے نزدیک بزرگانِ دین نہ خدا ہیں نہ خدائی میں حصہ دار۔ ہاں وہ خدا کے بندے ہیں لیکن اُس کے تابعدار اور مقربِ بارگاہ ہیں۔ اب ہم قارئین کو دکھاتے ہیں کہ اہلسنت وجماعت کو پیر پرست بتانے والے دیوبندی حضرات خود اپنے پیروں کو کیا سمجھتے ہیں۔ مولوی رشید احمد گنگوہی کی وفات پر اُن کے مرید وخلیفہ مولوی محمود الحسن صاحب (المتوفی ۱۳۳۹ھ/۱۹۲۰ء) نے مرثیہ لکھا، جس کا ایک شعر یہ ہے: ؎

جنید و شبلی و ثانی ابو مسعود انصاری
رشیدِ ملت و دیں، غوثِ اعظم، قطبِ ربانی[1]

اس شعر میں مولوی محمود الحسن صاحب نے اپنے پیر مولوی رشید احمد گنگوہی کو غوثِ اعظم بھی بتایا ہے۔ مسلمان اگر حضور سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو غوثِ اعظم کہتے ہیں تو وہابی حضرات کے نزدیک یہ صریح شرک قرار پاتا ہے کیونکہ اُن حضرات کے نزدیک صرف اللہ ربّ العزت ہی غوثِ اعظم ہے بلکہ دیوبندیوں کے مولوی غلام اللہ خاں صاحب (راولپنڈی) تو اللہ تبارک وتعالیٰ کے لیے غوثِ اعظم لکھ کر آگے جلّ جلالہٗ بھی رقم فرماتے ہیں۔ معلوم نہیں اب وہ اپنے گھریلو غوثِ اعظم کو جلّ جلالہٗ سے یاد کریں گے یا نہیں؟ اگلا مرتبہ ملاحظہ ہو: ؎

وہ تھے صدیق اور فاروق پھر کہیے عجب کیا ہے
شہادت نے تہجد میں قدمبوسی کی گر ٹھانی[2]

---

[1] محمود الحسن، مولوی: مرثیہ گنگوہی، ص ۴
[2] ایضاً: ص ۱۱

یہاں سیدنا صدیق اکبر و فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے بھی بڑھا کر دکھا دیا۔ اسی پر بس نہیں، آگے چلیے۔ اگر کوئی پوچھے کہ گنگوہی صاحب کس منصب پر فائز تھے تو جواب دیا گیا ہے: ؎

مسیحائے زماں پہنچا فلک پہ، چھوڑ کر سب کو
چھپا چاہِ لحد میں وائے قسمت ماہِ کنعانی[1]

یعنی دیوبندی حضرات کے نزدیک گنگوہی صاحب مسیحائے زماں اور ماہِ کنعانی یعنی حضرت یوسف علیہ السلام تھے۔ اگر کوئی پوچھے کہ گنگوہی صاحب کیا اعجاز میں عیسیٰ علیہ السلام کے ہی برابر تھے تو اُسے جواب دیا جا رہا ہے: ؎

مُردوں کو زندہ کیا، زندوں کو مرنے نہ دیا
اِس مسیحائی کو دیکھیں ذری ابنِ مریم[2]

یہاں بتا دیا کہ گنگوہی صاحب کا مرتبہ عیسیٰ علیہ السلام سے اعجاز میں بڑھ کر ہے کیوں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام تو صرف مُردے ہی زندہ کر سکتے تھے لیکن گنگوہی صاحب مُردوں کو زندہ کر دینے کے ساتھ ہی زندوں کو مرنے نہیں دیا کرتے تھے۔ اسی لیے کہہ دیا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی اگر حقیقی مسیحائی دیکھنا چاہتے ہیں تو گنگوہی صاحب کی مسیحائی کو آ کر دیکھیں۔ جب گنگوہی صاحب کو عیسیٰ علیہ السلام سے بھی بڑھ کر صاحبِ اعجاز بنا دیا تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ آخر ان کا مرتبہ کون سے نبی کے برابر تھا۔ اس کا یہ جواب دیا ہے: ؎

زباں پر اہلِ اہوا کی ہے کیوں اُعلُ ہُبَل شاید
اُٹھا عالم سے کوئی بانیِ اسلام کا ثانی[3]

یعنی ہوا پرست لوگ جو بتوں کی باتیں کرنے لگ گئے ہیں تو شاید یہ اسی وجہ سے ہے کہ بانیِ اسلام یعنی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جیسے ہمارے گنگوہی صاحب دنیا سے اُٹھ گئے ہیں۔ علاوہ بریں دیوبندی حضرات کے نزدیک مولوی رشید احمد گنگوہی بعض کمالات میں فخرِ دو عالم

---

[1] محمود الحسن، مولوی: مرثیہ گنگوہی، ص ۶ [2] ایضاً: ص ۲۲
[3] ایضاً: ص ۴

سیدِ عرب و عجم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے بھی بڑھ کر تھے۔ مثلاً نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے استمداد کرنا، حاجت روائی چاہنا دیوبندیوں کے نزدیک شرک ہے لیکن گنگوہی صاحب کو خدا کا شریک ٹھہرا لینے میں اُن کے نزدیک کوئی حرج نہیں کیونکہ وُہ اِن کے قبلۂ حاجات تھے۔ چنانچہ اپنے اِس ایٹمی شرک کو یُوں شِیرِ مادر سمجھ کر بغیر ڈکار ہضم کیا ہُوا ہے: ؎

حوائج دین و دنیا کے کہاں لے جائیں ہم یارب
گیا وہ قبلۂ حاجاتِ روحانی و جسمانی[1]

اِس ستم ظریفی کی بھلا کوئی حد ہے کہ خدا سے ہی سوال کیا ہے کہ اب ہم اپنی دین و دنیا کی حاجتیں کس سے پُوری کروایا کریں گے کیونکہ ہمارا قبلۂ حاجاتِ جسمانی و روحانی چلا گیا ہے؛ اب نہ اُنھیں مخلوق میں کوئی اور قبلۂ حاجات نظر آتا ہے نہ خالق ہی سے ایسی توقع۔ لٰہذا اِسی حیرانی میں چیخ پکار مچائی جا رہی ہے۔ علاوہ بریں فخرِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے اِن کے نزدیک گنگوہی صاحب کو دوسری فوقیت یہ حاصل تھی کہ: ؎

قبولیت اِسے کہتے ہیں مقبول ایسے ہوتے ہیں
عبیدِ سُود کا اِن کے لقب ہے یوسفِ ثانی[2]

یعنی کسی کو عبدالنبی، عبدالرسول کہو تو دیوبندی حضرات کے نزدیک شرک ہو گیا۔ سیدالانبیاء صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا عبد ہونا ان کے نزدیک یقینی شرک ہے لیکن گنگوہی صاحب کا عبد ہونا قطعاً شرک نہیں کیونکہ گنگوہی صاحب کے عبیدِ سُود یعنی کالے عبد بھی یوسف علیہ السلام کی طرح حسین و جمیل تھے۔ تیسری خصوصیت جو دیوبندی حضرات کے نزدیک گنگوہی صاحب کو سیدالمرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ممتاز کرتی ہے، یہ ہے: ؎

خدا اُن کا مربّی، وہ مربّی تھے خلائق کے
مِرے مولیٰ، مِرے ہادی تھے بیشک شیخِ ربّانی[3]

---

[1] محمود الحسن، مولوی: مرثیۂ گنگوہی، ص ۷ [2] ایضاً: ص ۸
[3] ایضاً: ص ۸

مسلمانوں کا تو یہی عقیدہ ہے کہ اللہ جلّ شانہٗ ہی خلائق کا مربّی ہے یعنی رب العٰلمین اُسی کی ذات ہے لیکن دیوبندی حضرات بتاتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ رب العالمین نہیں ہے بلکہ صرف گنگوہی صاحب کا مربّی ہے اور جناب گنگوہی صاحب باقی ساری کائنات کے مربّی ہیں۔

چوتھی خصوصیت یہ بتائی ہے: ؎

پھریں تھے کعبہ میں بھی پوچھتے گنگوہ کا رستہ
جو رکھتے اپنے سینوں میں تھے ذوق و شوق عرفانی[1]

یعنی دیوبندی حضرات کو کعبے میں پہنچ کر بھی کوئی سرور نہیں ملتا بلکہ وہاں ایسے رہتے ہیں جیسے جیل خانے میں قیدی اور وہاں سے گنگوہ جانے کا راستہ پوچھتے رہتے ہیں۔ اگر گنگوہی صاحب کو سرورِ کون ومکاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ممتاز نہ سمجھا گیا ہوتا تو گنگوہ کے بجائے مدینہ منورہ کا راستہ پوچھتے۔

پانچویں خصوصیت یہ بتائی ہے: ؎

چھپائے جامۂ فانوس کیونکر شمعِ روشن کو
تھی اُس نورِ مجسّم کے کفن میں وہ ہی عمر باقی[2]

دیوبندی حضرات کے نزدیک نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جسمانی لحاظ سے ہرگز نور نہیں ہیں لیکن گنگوہی صاحب نورِ مجسّم یعنی سراپا نور تھے، جن کی شعاعیں کفن سے باہر بھی نکل رہی تھیں۔ یہاں آکر ایک سیدھے سادے مسلمان کی حیرت کا پیمانہ بھی چھلک اُٹھتا ہے کہ جو باتیں فخرِ دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے ثابت ماننا ان حضرات کے نزدیک کفر و شرک ہیں وہی باتیں گنگوہی صاحب سے منسوب ہونے پر کس طرح عین ایمان ہو گئیں، مسلمانوں کی اِس حیرانی کو دُور کرنے کی خاطر دیوبندیوں کے شیخ الہند صاحب نے صاف لکھ دیا ہے

تمھاری تربتِ انور کو دے کر طور سے تشبیہ
کہوں ہوں بار بار اَرِنی مِری دیکھی بھی نادانی[3]

---

[1] محمود الحسن مولوی، مرثیہ گنگوہی، ص ۹

[2] ایضاً، ص ۱۱

[3] ایضاً، ص ۱۲

گنگوہی صاحب کی قبر کو طور سے، خود کو موسیٰ علیہ السلام سے اور گنگوہی صاحب کو رب العالمین سے تشبیہ دے کر شیخ الہند صاحب بار بار کہہ رہے ہیں رَبِّ اَرِنِیْ اَنْظُرْ اِلَیْکَ۔ یعنی اے میرے رب! تو مجھے اپنی ذات دکھا تاکہ میں تیرا دیدار کروں۔ معلوم ہُوا کہ فخرِ دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے گنگوہی صاحب کو بایں وجہ فوقیت دی جا رہی تھی کہ مولوی محمود الحسن صاحب انھیں منصب الوہیت پر فائز کر چکے تھے۔ اب ایک دلخراش خواب ملاحظہ ہو:

"حضرت گنگوہی کے بیعت ہونے سے پیشتر حضرت حاجی صاحب نے خواب دیکھا تھا، جس کی تعبیر حضرت گنگوہی کا مرید ہونا ہے۔ آپ نے دیکھا کہ آپ کی بھاوج آپ کے مہمانوں کا کھانا پکا رہی ہے۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور آپ کی بھاوج سے فرمایا: اُٹھ تو اِس قابل نہیں ہے کہ امداد اللہ کے مہمانوں کا کھانا پکائے۔ اِس کے مہمان علماء ہیں، اِس کے مہمانوں کا کھانا مَیں پکاؤں گا۔"[1]

کیا گنگوہی صاحب کے لیے فخرِ دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اِس لیے کھانا پکانے تشریف لائے تھے کہ گنگوہی صاحب نے سرورِ کون و مکاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے علم کو علمِ شیطان سے کم بتاتا تھا اور اُمتی کہلاتے ہُوئے اُس سرکار کے خلاف دیوبندی فرقے کے نام سے ایک مستقل محاذ قایم کرتا تھا، دوسری صورت یہ ہو سکتی ہے کہ دیوبندی حضرات اپنے گنگوہی پیر کا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم کو باورچی اِس لیے دکھا رہے ہیں کہ کائنات میں گنگوہی صاحب کے مرتبے کی کوئی اور ہستی نظر ہی نہ آئی۔ یہی مفتی صاحب اب گنگوہیت کا ڈنکا یُوں بجاتے ہیں:

"حضرت قدس سرّہٗ کے کمالات اور اوصاف کہاں تک بیان کیے جائیں۔ بس اِس شعر پہ آپ کا تذکرہ ختم کرتا ہُوں:

حُسنِ یوسف، دمِ عیسٰی، یدِ بیضا داری
آنچہ خُوباں ہمہ دارند تو تنہا داری"[2]

---

[1] عزیز الرحمٰن نہٹوروی، مفتی: تذکرہ مشایخِ دیوبند، ص ۱۱۲ [2] ایضاً: ص ۱۳۹

یعنی جو کمالات انفرادی طور پر انبیائے کرام کو ملے تھے اُن سارے کمالات کی جامع سرکار گنگوہیت مآب مولوی رشید احمد صاحب کی ذات ہے۔ اب مولوی محمد یعقوب صاحب کا مقام ملاحظہ فرمالیجیے:

"جس زمانہ میں ملکہ کی تاجپوشی کا جلسہ ہُوا، اُس زمانہ میں مولانا محمد یعقوب صاحب دِلّی میں تھے اور اکثر غائب رہا کرتے تھے۔ میں نے دریافت کیا کہ حضرت! آپ کہاں غائب رہتے ہیں؟ فرمایا: مجھے حکم ہُوا ہے کہ دِلّی میں جس جس جگہ تمہارا قدم جائے گا اُس جگہ کو آباد کر دیں گے۔ اِس لیے شہر اور حوالیِ شہر میں گشت کیا کرتا ہُوں تاکہ ویران مقامات آباد ہو جائیں۔"[1]

اب مولوی رفیع الدین صاحب دیوبندی اور اُن کے بھائیوں کا مقام ملاحظہ ہو۔ چنانچہ لکھتے ہیں:

"مشہور ہے کہ رات کو اکثر لوگوں نے آپ (شاہ رفیع الدین صاحب دیوبندی) کی قبر سے قرآن شریف پڑھنے کی آواز سُنی ہے۔ آپ کے چار بھائی اور تھے، محمد صابر، بلند بخت، مقصود علی، سید احمد۔ تینوں مؤخر الذکر حضرات معرکہ بالاکوٹ میں شہید ہُوئے۔ اِن تینوں حضرات کے بارے میں مشہور ہے کہ مولانا فرید الدین صاحب (اپنے والد) کے انتقال کے وقت اُن کے جنازہ میں شریک تھے اور بعد تدفین کے غائب ہو گئے۔"[2]

مصنفِ تذکرہ مشایخِ دیوبند کے اُستاد اور مدرسہ دیوبند کے مدرس کی زبانی مولوی محمود الحسن دیوبندی کے بارے میں یہ عجیب و غریب افسانہ تراشا گیا اور ٹانڈوی صاحب اُس کے مُصدِّق بن گئے۔ الفاظ ملاحظہ ہوں:

"جب میں بچہ تھا اور حضرت (مولوی محمود حسن صاحب) کے زنان خانے میں آتا جاتا تھا تو ایک دِن مَیں نے حضرت کے کمرہ کے کواڑوں کے جھروکوں سے

---

[1] عزیز الرحمٰن نہٹوروی، مفتی: تذکرہ مشایخ دیوبند، ص ۱۷۵
[2] ایضاً: ص ۱۹۳

جھانک کر دیکھا تو کیا دیکھتا ہوں کہ حضرت کے جسم کے تمام اعضاء، سر دھڑ علیحدہ علیحدہ پڑے ہوئے ہیں۔ میں یہ دیکھ کر گھبرا گیا اور بھاگ آیا اور باہر آ کر حضرت مولانا حسین احمد صاحب مدنی سے بیان کیا تو مولانا نے فرمایا: خاموش! کسی سے نہ کہنا، کوئی فکر کی بات نہیں ہے۔" [1]

اب براہینِ قاطعہ جیسی رُسوائے زمانہ اور ایمان سوز کتاب کے مصنف مولوی خلیل احمد انبیٹھوی (المتوفی ۱۳۴۵ھ/ ۱۹۲۶ء) کی شان اُن کے تذکرہ نگار، مولوی عاشق الٰہی میرٹھی کے لفظوں میں ملاحظہ ہو:

"حضرت (انبیٹھوی صاحب) کے کمالات کا بیان کرنا میری طاقت سے باہر ہے کہ اُن کا ادراک مجھ جیسے ناکارہ کی تو کیا حقیقت، بڑوں کو بھی مشکل تھا۔" [2]

اب اُسی ادراک سے باہر کمال کی حقیقت تذکرہ نگار موصوف کے لفظوں میں ملاحظہ فرمائیے:

"حج پنجم میں جس وقت حضرت مسجد الحرام میں طوافِ قدوم کے لیے تشریف لائے تو احقر مولانا محب الدین صاحب کے پاس (جو کہ اعلیٰحضرت حاجی کے خلفاء میں تھے اور صاحبِ کشف مشہور تھے) بیٹھا تھا۔ مولانا اُس وقت درود شریف کی کتاب کھولے اپنا ورد پڑھ رہے تھے کہ دفعۃً میری طرف مخاطب ہو کر فرمانے لگے: اِس وقت حرم میں کون آ گیا کہ دفعۃً سارا حرم انوار سے بھر گیا۔ میں خاموش رہا کہ اِتنے میں حضرات طواف سے فارغ ہو کر باب الصفا کی طرف سعی کے لیے چلے تو مولانا محب الدین صاحب کے پاس کو آئے کہ وہی جگہ مولانا کی نشست کی تھی۔ مولانا کھڑے ہو گئے اور ہنس کر فرمایا: میں بھی تو کہوں آج حرم میں کون آ گیا۔ یہ کہہ کر مصافحہ و معانقہ ہوا اور حضرت سعی کے لیے آگے بڑھ گئے۔ مولانا محب الدین صاحب اپنی جگہ بیٹھ گئے اور مجھ سے فرمایا: میاں ظفر!

---

[1] عزیز الرحمٰن بجنوری، مفتی: تذکرہ مشایخ دیوبند، ص ۲۳۴

[2] عاشق الٰہی میرٹھی، مولوی: تذکرۃ الخلیل، ص ۳۵۸

مولانا خلیل احمد تو نور ہی نور ہیں۔ ان میں نور کے سوا کچھ نہیں۔ پھر فرمایا کہ میں نے مولانا رشید احمد صاحب کو نہیں دیکھا اور مجھ سے کہا گیا ہے کہ وہ قطب الارشاد تھے، مگر میں نے مولانا کے خلفاء کو دیکھ کر سمجھ لیا کہ واقعی وہ قطب الارشاد تھے جو ایسے ایسے کامل بنا گئے"۔ [1]

جس شخص نے حبیبِ پروردگار اور عالمِ علومِ اوّلین و آخرین کا شیطان سے کم علم بتایا اور جس کے کفر و ارتداد پر علمائے عرب و عجم کا اتفاق ہے، اُسے کامل بتانا، نور ہی نور ٹھہرانا، حرم کو اُس سراپائے ظلمت سے چمکانا اور مولوی رشید احمد گنگوہی جیسے اللہ و رسول کے کُھلے دشمن کو قطب الارشاد قرار دینا معلوم نہیں کیسی دینداری اور کہاں کی دیانت داری ہے؟ اب گنگوہی صاحب کے دُوسرے خلیفہ مولوی حسین علی بھچرانوی کا ایک واقعہ خود اُن کی زبانی سُنیے، انھوں نے لکھا ہے:

"میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ مجھے بصورتِ معانقہ دوزخ کے پلصراط پر لے گئے۔۔۔۔ ورأیت انہ یسقط فامسکتہ واعتصمتہ عن السقوط اور میں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو دیکھا کہ آپ گِر رہے ہیں تو میں نے آپ کو تھام کر گرنے سے بچایا۔" [2]

مولوی محمد قاسم نانوتوی صاحب بھی دیوبندیوں کے نزدیک چھوٹے موٹے ولی نہیں۔ اُن کی جانب بھی بے شمار کرامتیں منسوب کی جاتی ہیں۔ موصوف کی ایک عدیم النظیر کرامت ملاحظہ ہو:

"مولانا (نانوتوی صاحب) بچّوں سے ہنستے بولتے اور جلال الدین صاحبزادہ محمد یعقوب سے جو اُس وقت بچّے تھے، بڑی ہنسی کیا کرتے تھے۔ کبھی ٹوپی اُتارتے، کبھی کمر بند کھولتے تھے۔" [3]

---

[1] عاشق الٰہی میرٹھی، مولوی: تذکرۃ الخلیل، ص ۳۵۹ [2] حسین علی، مولوی: بلغۃ الحیران، ص ۸

[3] اشرف علی تھانوی، مولوی: حکایاتِ اولیاء، ص ۳۱۷

دیوبندی حضرات کے نزدیک نانوتوی صاحب کا مقام انسانیت سے برتر تھا۔ چنانچہ خود لکھا ہے:

"مولانا رفیع الدین صاحب فرماتے تھے کہ میں پچیس برس حضرت مولانا نانوتوی کی خدمت میں حاضر ہُوا ہُوں اور کبھی بلا وضو نہیں گیا۔ میں نے انسانیت سے بالا درجہ اُن کا دیکھا ہے۔ وہ شخص ایک فرشتہ مقرب تھا، جو انسانوں میں ظاہر کیا گیا۔"[1]

کیا دیوبندی حضرات دوسروں کو بھی یہ وجہ بتا سکتے ہیں کہ بارگاہِ نانوتوی صاحب میں یہ متواتر پچیس سال تک باوضو حاضر ہونے کی پابندی اُن کی شریعت کے مطابق کیسی ہے؟ نیز یہ بھی کہ فرشتے کا مقام کیا انسانیت سے بالاتر ہے؟ افسوس!

ع راہزن خضرِ راہ کی قبا چھین کر
رہنما بن گئے دیکھتے دیکھتے

اب دار العلوم دیوبند کے سابق صدر یعنی مولوی حسین احمد گاندھوی صاحب کا وُہ منصب ملاحظہ فرمائیے جس پر وُہ دیوبندی حضرات کے نزدیک فائز ہیں جبکہ موصوف کا مقصدِ حیات اور اُن کے کارناموں کا مرکزی نقطہ صرف گاندھی جیسے مشرک کی پیروی اور اُس کے ارشادات کو قرآن وحدیث کے مطابق قرار دینے کے سوا اور کچھ نہ تھا۔ چنانچہ اُن کے بارے میں ڈنکے کی چوٹ اعلان کیا گیا تھا:

"ایک خاص نعمت جو اللہ تعالیٰ نے آپ (مولوی حسین احمد گاندھوی صاحب) کو عطا فرمائی تھی، وہ تھی رؤیا، اِس پیکرِ عصمت کی زندگی نے سیدنا یُوسف علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام سے جہاں تقدس واستقامت علی الحق، باطل کے مقابلے میں سینہ تان کر السجن احب الیّ مما یدعوننی کا نعرہ بلند کرنے کا ترکہ پایا تھا، وہیں تاویلِ احادیث کے تمام شعبے بالخصوص تعبیرِ رؤیا

---

[1] اشرف علی تھانوی، مولوی؛ حکایاتِ اولیاء، ص ۲۸۶

کا کمال بھی حاصل فرمایا تھا۔" [1]

حضرت یوسف علیہ السلام جیسے کمالات ایک گاندھی جیسے مشرک و بُت پرست کے پیروکار میں ثابت کرنے کی جرأت وہ حضرات تو کر سکتے ہیں جن کے نزدیک کفر و ایمان میں کوئی فرق نہ ہو یا آخرت کی باز پرس جن کے نزدیک ایک فرضی قصے کہانی سے زیادہ اور کوئی حیثیت نہ رکھتی ہو اور اس پر ستم ظریفی یہ گاندھوی موصوف کو معصوم قرار دیتے ہوئے اُن کے لیے پیکرِ عصمت کا لفظ لکھ دیا حالانکہ عصمت گروہِ انبیاء و ملائکہ کا خاصہ ہے۔ اب قارئین کرام ذرا دیو بندی حضرات کی مُلّا پرستی کا ایک المناک ڈرامہ بھی ملاحظہ فرمائیں۔ چنانچہ لکھا ہے:

"حضرت سیّدنا ابراہیم علیہ السلام گویا کسی شہر میں جامع مسجد کے قریب ایک حجرہ میں تشریف فرما ہیں اور متصل ایک دُوسرے کمرے میں کتب خانہ ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کتب خانے سے ایک مجلد کتاب اُٹھائی، جس میں دو کتابیں تھیں، ایک کتاب کے ساتھ دوسری کتاب تھی، وہ خطباتِ جمعہ کا مجموعہ تھا۔ اِس مجموعہ خطب میں وہ خطبہ نظر انور سے گزرا جو مولانا حسین احمد مدنی خطبۂ جمعہ پڑھا کرتے ہیں۔ جامع مسجد میں بوجہ جمعہ مصلّیوں کا مجمع بڑا ہے۔ مصلّیوں نے فقیر سے فرمائش کی کہ تم حضرت خلیل اللہ سے سفارش کرو کہ حضرت خلیل اللہ علیہ السلام مولانا مدنی کو جمعہ پڑھانے کا ارشاد فرمائیں۔ فقیر نے جرأت کر کے عرض کیا تو حضرت خلیل علیہ السلام نے مولانا مدنی کو جمعہ پڑھانے کا حکم فرمایا۔ مولانا مدنی نے خطبہ پڑھا اور نمازِ جمعہ پڑھائی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مولانا مدنی کی اقتداء میں نمازِ جمعہ ادا فرمائی۔ فقیر بھی مقتدیوں میں شامل تھا۔ فالحمد للہ علیٰ ذالک حمداً کثیراً۔ حضرت سیدنا ابراہیم علیہ السلام ضعیف العمر تھے۔ ریش مبارک سفید تھی۔" [2]

یہ بات تو اپنے عرفانی ذوق، ایمانی حرارت اور عقلِ سلیم سے تعلق رکھتی ہے کہ ایک نبی اور وہ بھی خلیل جیسی جلیل القدر ہستی کی اقتداء کے لیے کس کے دل میں تمنائیں مچلتی ہیں اور خلیل اللہ کو نظر انداز کر کے اپنے مُلّاؤں کو امام بنانے بلکہ ایک جلیل القدر پیغمبر کو اُن کی اقتداء پر مجبور کرنے کی

---

[1] شیخ الاسلام نمبر: ص ۸۰ [2] ایضاً: ص ۱۶۴

جسارت کون لوگ کیا کرتے ہیں؛ کیا انبیائے کرام سے اِس طرح اپنے علما، کو بڑھا کر دکھانا اُنھیں اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰہِ بنانے کی ایک کڑی تو نہیں ہے ؛ خواب تو گھڑ لیا، ٹانڈوی صاحب کو عرش پر بٹھا کر تو دکھا دیا لیکن اِتنا خیال نہ آیا کہ اِس طرح تمام نمازیوں کے ساتھ گاندھوی صاحب کو بھی انبیائے کرام کا گستاخ مان لیا کر لوگوں کی یہ غلط اور غیر اسلامی خواہش دیکھ کر بھی اُنھوں نے یہ نہیں فرمایا کہ خلیلِ خدا کا مجھے امام بنا کر کیوں اپنے ساتھ میرے بھی دین وایمان کا بیڑہ غرق کرتے ہو؛ نہ بھی تو اتنا ہی کہہ دیتے کہ ہماری سعادت اِسی میں ہے کہ ہم انبیائے کرام کی اقتداء کریں۔ لیکن:

؎ رہِ منزل میں سب گُم ہیں مگر افسوس تو یہ ہے
امیرِ کارواں بھی ہیں اُنھیں گُم کردہ راہوں میں

اب مولوی حسین احمد گاندھوی صاحب کا یہ منصب ومقام بھی تو ملاحظہ فرمائیے:

"اب یہ دیکھتے ہیں کہ وہ (مولوی حسین احمد صاحب) عالمِ نور میں رہتے ہیں۔ اُن کی آنکھوں میں بھی نور ہے، اُن کے داہنے نور ہے، اُن کے بائیں نور ہے، اُن کے چاروں طرف نور ہی نور ہے، وہ خود نور ہو گئے ہیں۔" [1]

جب یہی الفاظ مسلمانانِ اہلسنت وجماعت کی زبان سے سرورِ کون ومکان صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے استعمال ہوتے ہیں تو دیوبندی حضرات کفروشرک کی توپوں سے دھواں دار گولہ باری شروع کر دیتے ہیں اور اِس عقیدے کو قرآن وحدیث کی تعلیمات سے سراسر بغاوت قرار دیتے ہیں لیکن وہی عقیدہ اگر سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بجائے گاندھوی صاحب سے متعلق کر دیا جائے تو عین ایمان ہو جاتا ہے۔ اب نہ کفروشرک رہا، نہ قرآن وحدیث کی تعلیمات سے بغاوت رہی۔ اِس ستم ظریفی کا جواب کیا؛ اِسلام کو اِس طرح بازیچۂ اطفال بنانے والوں کو اللہ تعالیٰ ہی راہِ ہدایت دکھائے۔ آمین

جامعہ حقانیہ اکوڑہ خٹک کے مدرس مولوی سمیع الحق صاحب نے ٹانڈوی صاحب کے بارے میں اُن کے گاندھوی منصب کے پیشِ نظر اپنے تاثرات یوں قلمبند فرمائے ہیں:

"میں کہا کرتا ہوں، حضرت مدنی کی نظیر نہیں ہے۔ اُن جیسا جامع الصفات

---

[1] شیخ الاسلام نمبر، ص ۱۲

تمام عالمِ اسلام میں نہیں تھا۔" ؎۱

نجم المدارس کلاچی ضلع ڈیرہ اسمٰعیل خاں کے مہتمم مولوی عبدالکریم دیوبندی نے ٹانڈوی صاحب کے بارے میں اسی بات کو یُوں اپنا مشاہدہ بنا کر سپردِ قلم کیا ہُوا ہے:

"میں بارہا مکّہ معظمہ گیا ہُوں، اہل اللہ کے جھنڈ کے جھنڈ ہوتے ہیں، مگر میں نے حضرت مدنی کے مرتبہ کا کوئی ولی نہیں دیکھا۔" ؎۲

جس کوچے سے روحانیت و ولایت کا گزر بھی نہیں ہوسکتا، وہاں کے رہنے والوں کو نہ صرف زبان زوری سے ولی بتایا جاتا ہے بلکہ اولیاء اللہ سے بڑھا چڑھا کر دکھاتے ہیں۔ کاش ایسے قلم چور حضرات کبھی اِتنا ہی غور فرما لیا کرتے کہ اللہ و رسول (جلّ جلالہٗ و صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کے دشمنوں اور گاندھی کے پجاریوں کا بھلا ولایت سے رشتہ ناطہ کیا؟ ابھی مولوی سمیع الحق صاحب کا ایک بیان اور ملاحظہ فرما لیا جائے:

"حضرت رائے پوری مدظلہٗ (مولوی عبدالقادر صاحب) سے کہا گیا کہ حضرت مدنی کانگرس میں اکیلے ہیں۔ فرمایا ہم اُس اکیلے کے ساتھ ہیں۔ میں تیرہ مرتبہ حجاز گیا۔ حرمین الشریفین میں پوری دنیا کے اولیاء اللہ جمع ہوتے رہتے ہیں۔ میں نے کہیں بھی حضرت مدنی کی نظیر نہیں دیکھی۔" ؎۳

اب ٹانڈوی صاحب کے بارے میں دیوبندی حضرات کا یہ فیصلہ بھی مدِنظر رکھا جائے:

"مگر اب آہ میرے مسیحا! دُنیا میں تو اِس وقت قیامت برپا ہے۔ اُمتِ مرحومہ کا تُو ہی ایک سہارا تھا سو قیامت میں ملنے کا وعدہ کر کے چلا گیا۔" ؎۴

اگر اولیائے کرام بلکہ خود سیّد الانبیاء صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اپنا سہارا کہا جائے تو دیوبندی حضرات کے نزدیک یہ کفر و شرک ہے، قرآن و حدیث کی تعلیمات کے خلاف ہے۔ فوراً تقویۃ الایمان کے ساختہ قوانین سنانے شروع کر دیئے جاتے ہیں کہ کوئی کسی کا وکیل اور

؎۱ ہفت روزہ خدام الدین لاہور، ۱۳ اپریل ۱۹۶۲ء، ص ۱۷ ؎۲ ایضاً، ۲۲ فروری ۱۹۶۳ء، ص ۴۲

؎۳ ایضاً، ۱۳ اپریل ۱۹۶۳ء، ص ۱۷ ؎۴ الجمعیۃ، شیخ الاسلام نمبر، ص ۹۷

سفارشی نہیں ہے۔ کوئی نفع نقصان پہنچانے کی طاقت نہیں رکھتا۔ نہ بالفعل اُن کو کسی کام میں دخل ہے نہ اللہ کے دینے سے۔ جو اُنھیں خدا کے دینے سے بھی اختیار مانے وہ اور ابوجہل شرک میں برابر ہیں۔ لیکن اختیارات کی نسبت اگر دیوبندی حضرات کے دشمنوں یعنی انبیائے کرام و اولیائے عظام کے بجائے دیوبندیوں کے اپنے مولویوں ملاؤں کی طرف ہو جائے تو چاہے ہزاروں گنا زیادہ اختیار ماننے چلے جائیں، اب نہ کفر و شرک، نہ قرآن و حدیث کی تعلیمات کے خلاف، بلکہ وہی عقیدہ اب عین دین و ایمان ہو جائے گا۔ کیا اب بھی کوئی شک و شبہ باقی رہتا ہے اور اس یقین کو پوری تقویت نہیں پہنچتی کہ وہابیت حقیقت میں انبیائے کرام اور اولیائے عظام سے بغاوت کا نام ہے اور وہابی وہی ہے جس کے دل میں انبیاء و اولیاء کی عداوت کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی ہو گی اگرچہ بظاہر کتنی ہی عقیدت کا اظہار کریں یا منافقانہ طور پر عشقِ رسول کا بلند بانگ دعویٰ بھی کرتے پھریں۔ اس زندہ حقیقت کا اگر خود معائنہ کرنا ہو تو بڑی آسانی سے کیا جا سکتا ہے۔ سوال کیجیے کہ فخرِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟ ظاہر ہے کہ دیوبندی مکتبۂ فکر سے تعلق رکھنے والا مفتیِ اعظم و قطب الارشاد کہلانے والے سے لے کر ایک جاہل مطلق تک ہر وہابی یہی جواب دے گا کہ وہ ہماری ہی طرح کے بشر تھے۔ اس سوال کا جواب دینے میں اُنھیں قطعاً کوئی دقت نہیں اُٹھانی پڑے گی، نہ کوئی جھجک یا ندامت محسوس ہو گی، نہ اس میں کسی قسم کی پیچیدگی یا اُلجھن کا سامنا کرنا پڑے گا لیکن حبیبِ کردگار کی جگہ اگر بات اُن لوگوں کی آ جائے جن کی وہ غیر محسوس طریقے پر رات دن پرستش میں مصروف رہتے ہیں، جن کی بارگاہوں میں عقیدت کے سجدے لٹاتے رہتے ہیں، جن کی بندگی سے وہ کسی وقت تائب ہونے کے لیے تیار نہیں یعنی اُن کے مولویوں کے بارے میں پوچھا جائے تو یوں بھول بھلیاں کی سیر کرنے لگ جاتے ہیں:

"آپ (ٹانڈوی صاحب) کے فضائل علمیہ اور کمالاتِ باطنیہ کی صحیح اطلاع یا تو خداوند قدوس ہی کو ہو سکتی ہے (یعنی صرف امکان تسلیم کیا ہے) یا اُن اولیائے کرام اور علمائے ربانیین کو ہو سکتی ہے جن کو مبداءِ فیاض نے چشمِ بصیرت عطا فرمائی ہے، ہم جیسے کور چشم آپ کی ذات قدسی صفات کو

کیا پہچان سکتے ہیں؟ ؎۱

دیوبندیوں سے ٹانڈوی صاحب کا منصب و مقام کیوں نہیں پہچانا جاتا تھا؟ آخر گاندھی کی آندھی میں تنکے کی طرح اُڑنے والے اور کانگرس کی دریوزہ گری کرنے والے مولوی صاحب کا مرتبہ جاننے میں کون سا پہاڑ حائل تھا؟ بات در اصل یہ ہے کہ دیوبندی حضرات اپنے کھدّر پوش ٹانڈوی صاحب کو منصبِ الوہیت پر فائز کر چکے تھے، جیسا کہ خود لکھا ہے:

"تم نے کبھی خدا کو بھی اپنے گلی کوچوں میں چلتے پھرتے دیکھا ہے؟ کبھی خدا کو بھی اُس کے عرشِ عظمت و جلال کے نیچے فانی انسانوں سے فروتنی کرتے دیکھا ہے؟ تم کبھی تصوّر بھی کر سکے کہ ربّ العالمین اپنی کبریائیوں پر پردہ ڈال کے تمہارے گھروں میں بھی آکر رہے گا؟" ؎۲

اِسی کبریائی کے باعث ٹانڈوی صاحب کو بڑے ذوق و شوق سے عَلِیمٌ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ بنا کر تشہیر کی ہے۔ مسلمان اگر دیوار کے پرے والی چیز سے سرورِ کون و مکاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو خبردار مانیں تو مشرک اور دیوبندی حضرات اپنے کھدّر پوش کبریا یعنی عالی جناب ٹانڈوی صاحب کو دِلوں کے خطرات سے بھی واقف بتائیں تو عین ایمان اور ٹانڈوی صاحب کے کامل ہونے کی دلیل۔ چنانچہ جامعہ مدنیہ لاہور کے امیر، حامد میاں صاحب جو ٹانڈوی صاحب کے خلیفۂ مجاز بھی ہیں۔ وُہ لکھتے ہیں کہ قیامِ پاکستان کے بعد مولوی احمد علی لاہوری صاحب نے ٹانڈوی صاحب کی خدمت میں ایک خط بھیجا۔ اُدھر سے جو جواب آیا اُسے لاہوری صاحب اپنے لیے ذریعہ نجات قرار دے کر محفوظ رکھے ہُوئے تھے۔ اُنھوں نے ایسا کیوں کیا؟ وجہ سُنیے:

"حضرت شیخ التفسیر (مولوی احمد علی لاہوری) رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ میں نے اپنے خط میں ایسا تاثر ظاہر نہیں کیا تھا لیکن حضرت مدنی قدس سرہٗ کامل تھے اِس لیے میری قلبی کیفیت اُن پر منعکس ہُوئی کہ میں نے اگرچہ الفاظ ایسے نہیں

؎۱ شیخ الاسلام نمبر، ص ۶۷ ؎۲ ایضاً، ص ۵۹

لکھے تھے لیکن لکھتے وقت مجھ پر رقت کا عالم تھا۔ حضرت مدنی نے جواب میں میری قلبی کیفیت کا خیال فرمایا اور یہی شیخ کا کمال ہے۔" ؎۱

مجھے کہنے دیجیے کہ قلوب پر مطلع ہونا اگر کامل ہونے کی دلیل ہے تو فخرِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی علمیت پر دیوبندی حضرات پہرہ بٹھانے کی کوشش کیوں کرتے ہیں؟ جتنا علم اپنے ٹانڈوی صاحب کے لیے تسلیم و مشتہر کیا ہے کوئی دیوبندی مرتے دم تک بھی اِتنا علم اُس ہستی کے لیے تسلیم نہیں کرتا جو اوّلین و آخرین کے علوم کی جامع ہے۔ کیا یہ حبیبِ پروردگار کو ناقص ٹھہرانے، فضل و کمال سے خالی بتانے اور غلامی کے پردے میں دل کی لگی بجھانے کا پُراسرار کاروبار نہیں ہے؟ ورنہ ٹانڈوی صاحب تو دِلوں پر بھی مطلع اور سید الانبیاء دیوار کے پرے والی چیزوں سے ناواقف۔ کیا اس فیصلے میں محبت اور نفرت کے جذبات کی کارفرمائی نہیں ہے؟ نہ اِن حضرات کے پاس ایک بھی دلیل کہ ٹانڈوی صاحب قلوب پر مطلع ہیں نہ ایسا کوئی ثبوت کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پسِ دیوار کی چیزوں سے ناواقف تھے۔ بات بس اِتنی ہے کہ ٹانڈوی صاحب سے عقیدت ہے تو بغیر دلیل بھی عَلِیۡمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوۡرِ مان لیے گئے اور سرورِ کون و مکان صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے عداوت ہے تو دنیا و مافیہا سے واقف ہونے کے باوجود پسِ دیوار سے ناواقف ٹھہرا دیے گئے۔ قلب کی اِس بیماری کا علاج سوائے اللہ رب العزت کے اور کسی کے پاس نہیں۔ تو ہتّب اِسی مرض کا نام ہے۔ اللہ تعالیٰ ہر مسلمان کو دین و ایمان کی اس ٹی۔ بی سے محفوظ و مامون رکھے۔ آمین۔ ٹانڈوی صاحب کی شان میں کہے گئے اِس شعر کے تیور بھی ذرا قارئین کرام بغور ملاحظہ فرمائیں: ؎

آج اُس مشفق، مربّی، شیخ کامل کا ہے ساتھ
جس کی نظروں سے گداؤں کو شہنشاہی ملے

دیوبندی حضرات کے نزدیک فخرِ دو عالم، سیّدِ عرب و عجم تک تو کسی کو نفع نقصان پہنچا نہیں

؎۱ ہفت روزہ خدام الدین لاہور، ۲۲ فروری ۱۹۶۳ء: ص ۱۳

سکتے تھے بلکہ اپنی صاحبزادی کے کام آنے تک سے مجبور و معذور تھے لیکن ٹانڈوی صاحب کو یہ کمال اِن کے نزدیک ضرور حاصل تھا کہ بہ پلک جھپکنے میں خاک نشینوں کو تخت نشین اور بھکاریوں کو بادشاہ بنا دیا کرتے تھے۔ کیا یہ ایک شرمناک جسارت اور دیانت و انصاف کا سرِ بازار خُون نہیں کیا جا رہا ہے؟ اب مولوی حسین احمد گاندھوی کے عاشقِ زار اور لاہور میں دیوبندیت کے سابق علمبردار مولوی احمد علی لاہوری (المتوفی ۱۳۸۱ھ / ۱۹۶۱ء) کے بارے میں مولوی سعید احمد جالندھری لکھتے ہیں :

"میں اپنے علم و ایقان اور مطالعہ کی کسوٹی پر جب کبھی حضرت شیخ التفسیر علیہ الرحمۃ کو کس کر دیکھتا ہوں، بے ساختہ زبان سے یہ کلمہ ادا ہو جاتا ہے ، حضرت مولانا احمد علی یقیناً اِس دَور کے حسن بصری ہیں۔" [1]

نوشہرہ چھاؤنی کے جناب احمد عبدالرحمٰن صدیقی نے اپنے پیر مولوی احمد علی لاہوری کو صدیقِ اکبر کے مقام پر فائز بتاتے ہُوئے تصریحًا لکھا اور دیوبندی حضرات نے اُسے یُوں مشتہر کیا ہے :

"۵ دسمبر ۱۹۵۷ء سوموار کے دن بیعت کی اور واپس نوشہرہ گیا تو چند ایام کے بعد خواب میں دیکھا کہ ایک جگہ ہے اور لوگ بتلا رہے ہیں ، یہ حضرت صدیق اکبر اور یہ بقیہ صحابہ کے مکانات ہیں۔ حضرت صدیق اکبر کے مکانات کے دروازے سبز تھے۔ میں نے دستک دی۔ اندر سے ایک بچّہ نکلا۔ میں نے اُس سے پُوچھا کہ حضرت صدیق اکبر کہاں ہیں؟ تو اُس نے سامنے چوبارے کی طرف اشارہ کیا کہ وُہ سامنے درسِ قرآن دے رہے ہیں۔ مَیں نے جب دیکھا تو وہ حضرت لاہوری تھے۔ اِس کے بعد مَیں جاگ اُٹھا اور اِس معمّہ کو نہ سمجھ سکا۔ تب سمجھ میں آیا جب حضرت کے انتقال پر علاّمہ انور صابری صاحب ہندوستان سے بسلسلۂ تعزیت تشریف لائے تو اُنھوں نے کہا کہ حضرت لاہوری مقامِ صدیقیت

[1] خدام الدین، ۱۳ / اپریل ۱۹۶۲ء، ص ۱۲

پر فائز تھے۔ تب مجھے اپنے خواب کی تعبیر معلوم ہوئی"۔ [1]

دیوبندی حضرات جب اپنے مولویوں کے لیے کوئی مقام ثابت کرنا چاہتے ہیں تو اُس کے لیے عموماً خواب گھڑتے اور گھڑے گھڑائے خوابوں کے سہارے اپنا خیالی شیش محل تعمیر کر لیا کرتے ہیں۔

ہمارا ارادہ تھا کہ اسی باب کے اندر ہم دیوبندی حضرات کے ایسے خوابوں اور ان کے متضاد فتووں اور متضاد عقاید و بیانات کو دو مستقل عنوانات کے تحت ضبطِ تحریر میں لاتے لیکن ان دونوں عنوانات کی وسعت کے تحت بخوافِ طوالت یہاں اُنھیں پیش کرنے سے قاصر ہیں۔ احقر کا ارادہ ہے کہ جلد از جلد ان عنوانات پر مستقل کتابیں پیش کی جائیں گی، انشاءاللہ تعالیٰ۔

ہاں تو ذکر ہے مولوی احمد علی لاہوری کا۔ مولوی مناظر حسین نظر لکھتے ہیں کہ ختمِ نبوت کی تحریک کے سلسلے میں جب احمد علی صاحب اور قاضی احسان احمد شجاع آبادی ملتان جیل میں تھے تو قاضی صاحب نے مولوی احمد علی صاحب لاہوری کو کس رنگ رُوپ میں دیکھا یہ مولوی مناظر صاحب کے قلم سے پُوچھیے:

"قاضی صاحب کہتے ہیں کہ میں اُن (لاہوری صاحب) کی کوٹھری کے پاس سے گزرتا تو یہ معلوم ہوتا کہ اللہ کا نور، اللہ کی بارگاہ میں سربسجدہ ہے"۔ [2]

کیا اب بھی اس حقیقت میں کسی شک وشبہ کی گنجائش ہے کہ وہابیت اصل میں انبیاءِ کرام و اولیاءِ عظام سے بغض و عناد ہی کا نام ہے۔ اگر کائناتِ ارضی و سماوی کی سب سے ممتاز ہستی اور بعد از خدا بزرگ توئی کے منصب پر فائز ہونے والے محبوبِ پروردگار کے لیے اللہ کا نور کہیے تو وہابیوں کا مفتیِ اعظم سے جاہلِ مطلق تک بہ پکا یقین رکھتا ہے کہ ایسا کہنے والے نے کفر کیا، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو خدائے وحدہٗ لاشریک کا شریک ٹھہرا دیا۔ لیکن اس بات پر کفر و شرک کا فتویٰ جڑنے والے قلم کی سیاہی ابھی خشک نہیں ہونے پاتی کہ اپنے مولویوں اور مُلّاؤں کے لیے اللہ کا نور لکھ دیا جاتا ہے۔ آخر یہ دھاندلی ایک روز رنگ لائے گی۔ اِنَّ مَوْعِدَھُمُ الصُّبْحُ ؕ اَلَیْسَ الصُّبْحُ بِقَرِیْبٍ۔

---

[1] خدام الدین، ۲۲ فروری ۱۹۶۳ء، ص ۳۶،۴۶

[2] خدام الدین، ۱۳ اپریل ۱۹۶۲ء، ص ۱۸

دیوبندی حضرات کے نزدیک مولوی عبدالقادر رائے پوری (المتوفی ۱۳۸۲ھ/۱۹۶۲ء) بڑے ولیِ کامل اور صاحبِ کشف و کرامت بزرگ ہو گزرے ہیں۔ موصوف کے خلیفۂ مجاز مولوی جمیل احمد میواتی نے اپنے پیر کے عَلِیمٌ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ہونے کے بارے میں تحریر کیا ہے:

"شام کا وقت تھا۔ مہمان چونکہ ابھی تھوڑے ہی تھے لہٰذا بڑے کمرے میں حضرت اقدس کے ساتھ ہی کھانا کھانے کی سعادت ملی۔ درمیان میں حضرت اقدس تکیہ سے ٹیک لگائے چار زانو بیٹھے ہوئے کھانا نوش فرما رہے تھے۔ دائیں بائیں دو قطاروں میں مہمان بیٹھے ہوئے تھے۔ بائیں قطار کے سب سے آخر میں، مَیں بیٹھا ہوا تھا۔ حضرت کو چار زانوں بیٹھے ہوئے دیکھ کر میرے دل میں خیال آیا کہ بھائی! ہم نے تو سُنا تھا کہ یہ بہت بڑے بزرگ ہیں، مگر کھانا تو اُن تین طریقوں کے خلاف کھا رہے ہیں جو ہم کو جماعت میں بتائے گئے ہیں۔ حضرت اقدس رحمۃ اللہ علیہ، ساری دنیا جن کے کمالات و بزرگی کی قائل ہے اور اُن کا لوہا مانتی ہے اور جن کی کرامتوں میں سے سب سے بڑی کرامت یہی سمجھی جاتی ہے کہ ساری عمر حضرت نے اپنی کسی حرکت و سکون سے یہ ظاہر نہیں ہونے دیا کہ مجھ میں بھی کوئی کمال ہے، وہیں سے بیٹھے بیٹھے میرے دل میں سے گزرنے والے خطرہ کو اپنے کشفِ عالیہ کے ذریعے سے معلوم کرتے ہوئے میری اصلاح کی غرض سے فرمایا: بھائی! جی تو میرا بھی یہی چاہتا ہے کہ ویسے ہی کھاؤں لیکن میں بُوڑھا ہوں اور بیماری کے سبب معذور بھی ہو چکا ہوں۔" [1]

جب بات انبیائے کرام اور اولیائے عظام کی ہو تو وہابی حضرات کا ہر قلم دین و ایمان کے سینے پر نشتر زنی کا کام کرتا چلا جاتا ہے لیکن جب اُن میں سے کسی قلم کا رُخ اپنے مُلّاؤں کی

---

[1] خدام الدین، ۲۲ فروری ۱۹۶۳ء، ص ۱۵، ۱۶

جانب ہوا، تو ابھی ابھی جب باتوں کو کفر و شرک قرار دیا تھا وہ عین ایمان اور قرآن و حدیث کی تعلیم کے بالکل مطابق قرار پا جائیں گی۔ باطل کا ہمیشہ سے یہی خاصہ رہا ہے اور دیوبندی حضرات کے ایسے دوغلے پن کے پیشِ نظر بے ساختہ کہنا پڑ جاتا ہے: ع

اللہ رے خود ساختہ قانون کا نیرنگ

علمائے دیوبند کا تصوّف

حدیث کی اصطلاح میں جسے احسان کہتے ہیں، اُسی کا نام تصوّف ہے۔ غیر مقلد اور مودودی نما وہابیوں کے نزدیک تصوّف کا سارا شعبہ ہی بدعت اور شجرِ ممنوعہ ہے جبکہ دیوبندی حضرات اِس کے قائل ہی نہیں بلکہ اپنی فرضی پیری مریدی کا جال بچھا کر عوام الناس کو اپنے دامِ تزویر میں پھنساتے رہتے ہیں۔ گزشتہ عنوان کے تحت قارئینِ کرام نے ملاحظہ فرمایا ہوگا کہ دیوبندی حضرات نے شاید ہی اپنے کسی مولوی کو چھوڑا ہو جسے منصبِ اُلوہیت پر فائز نہ کر سکے ہوں ورنہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے فضائل و کمالات میں بڑھ چڑھ کر دکھانا تو اِن حضرات کے بائیں ہاتھ کا کھیل ہے۔ اِن حضرات کی تصانیف کے مطالعے سے ایک بے خبر آدمی کو یہی محسوس ہوگا کہ دنیا میں اگر کہیں صاحبِ کمال پیدا ہوئے تو وہ علمائے دیوبند ہیں جبکہ اہلِ نظر پر واضح ہے کہ حقیقت اِس کے سراسر برعکس ہے۔ یہ بزرگی کے دعوے، یہ کرامتوں کے چرچے، یہ کشف و الہام کے صیغے محض دنیاوی کاروبار کو چمکانے اور خود کو اہلسنّت وجماعت باور کروانے کی خاطر اختیار کر رکھے ہیں۔ آئیے دیوبندی حضرات نے جو تصوّف و رُوحانیت کا فلک بوس شیش محل تعمیر کیا ہُوا ہے، اُس کے اندر تو جھانک کر دیکھیں۔ چنانچہ حافظ ضامن صاحب کے بارے میں مولوی عاشق الٰہی میرٹھی نے بروایت مولوی رشید احمد گنگوہی صاحب لکھا ہے:

"حضرت حافظ صاحب کے مزاج اور خوش مزاجی کے بہت قصے بیان فرمایا کرتے تھے۔ ایک بار فرمایا: حافظ صاحب کو مچھلی کے شکار کا بہت شوق تھا۔ ایک بار ندی پر شکار کھیل رہے تھے، کسی نے کہا: حضرت! ہمیں۔ آپ نے فرمایا: اب کے ماروں تیری۔" [۱]

---

[۱] عاشق الٰہی میرٹھی، مولوی: تذکرۃ الرشید، حصّہ دوم، ص ۲۷۰

یہ واقعہ حکایاتِ اولیا، مرتبہ مولوی اشرف علی تھانوی، مطبوعہ کراچی کے صفحہ ۲۸۴ پر بھی موجود ہے۔

اب مولوی رشید احمد گنگوہی کا ایک خواب مولوی عاشق الٰہی میرٹھی کی زبانی سُنیئے:

"آپ (گنگوہی صاحب) ایک مرتبہ خواب بیان فرمانے لگے کہ مولوی محمد قاسم کو مَیں نے دیکھا کہ دُلہن بنے ہوئے ہیں اور میرا نکاح اُن کے ساتھ ہُوا۔ پھر خود ہی تعبیر فرمائی کہ آخر اُن کے بچّوں کی کفالت کرنا ہی ہوں۔" ؎

اب دیکھنا یہ ہے کہ جو خواب مولوی محمد قاسم نانوتوی کی وفات کے بعد دیکھا گیا وہ نانوتوی صاحب کی زندگی میں کبھی اپنے اصلی رنگ رُوپ میں بھی دیکھا جاتا تھا یا نہیں؟ اِس کا جواب ملاحظہ ہو:

"حضرت والد ماجد مولانا حافظ محمد احمد صاحب وعمِّ محترم مولانا حبیب الرحمٰن صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے بیان فرمایا کہ ایک دفعہ گنگوہ کی خانقاہ میں مجمع تھا۔ حضرت گنگوہی اور حضرت نانوتوی کے مرید و شاگرد سب جمع تھے اور یہ دونوں حضرات بھی وہیں مجمع میں تشریف فرما تھے کہ حضرت گنگوہی نے حضرت نانوتوی سے محبت آمیز لہجہ میں فرمایا کہ یہاں ذرا لیٹ جاؤ۔ حضرت نانوتوی کچھ شرما سے گئے مگر حضرت نے پھر فرمایا تو بہت ادب کے ساتھ چت لیٹ گئے۔ حضرت (گنگوہی صاحب) بھی اُسی چارپائی پر لیٹ گئے اور مولانا کی طرف کو کروٹ لے کر اپنا ہاتھ اُن کے سینے پر رکھ دیا جیسے کوئی عاشقِ صادق اپنے قلب کو تسکین دیا کرتا ہے۔ مولانا ہر چند فرماتے ہیں کہ میاں کیا کر رہے ہو، یہ لوگ کیا کہیں گے؟ حضرت نے فرمایا: لوگ کہیں گے کہنے دو۔" ؎

دیوبندیوں کے نزدیک مولوی محمد قاسم نانوتوی بہت بڑے بزرگ اور حجۃ الاسلام تھے۔ موصوف کے بزرگانہ ارشادات کی ایک جھلک دیوبندی حضرات ہی کی زبانی ملاحظہ ہو:

؎ تذکرۃ الرشید، حصہ اوّل، ص ۲۸۹

؎ اشرف علی تھانوی، مولوی: حکایاتِ اولیاء، ص ۳۴۹

"والد صاحب نے فرمایا کہ ایک دفعہ چھتے کی مسجد میں مولانا فیض الحسن صاحب استنجے کے لیے لوٹا تلاش کر رہے تھے اور اتفاق سے سب لوٹوں کی ٹونٹیاں ٹوٹی ہوئی تھیں۔ فرمانے لگے کہ توبہ، سارے لوٹے مختون ہی ہیں۔ حضرت (نانوتوی صاحب) نے ہنس کر فرمایا، پھر آپ کو تو بڑا استنجا نہیں کرنا ہے (گویا مختون سے کیا ڈر رہے)۔"[1]

مولوی اشرف علی تھانوی دیوبندی حضرات کے نزدیک بہت بڑے بزرگ، بلکہ مجدد بلکہ جامع المجددین تھے۔ موصوف نے اپنے بچپن کے واقعات بیان کرتے ہوئے ایک مرتبہ مریدوں کو بتایا:

"ایک روز ایسا ہوا کہ بھائی پیشاب کر رہے تھے، میں نے اُن کے سر پر پیشاب کرنا شروع کر دیا۔"[2]

اب حکیم الامت صاحب کی مہمان نوازی کا ایک بے نظیر واقعہ ملاحظہ فرمایا جائے:

"ایک صاحب تھے سیکری کے، ہماری سوتیلی والدہ کے بھائی، بہت ہی نیک اور سادہ تھے۔ والد صاحب نے اُن کو ٹھیکے کے کام پر رکھ چھوڑا تھا۔ ایک مرتبہ مجسٹریٹ سے گرمی میں بھوکے پیاسے گھر آئے اور کھانا نکال کر کھانے میں مشغول ہوئے۔ گھر کے سامنے بازار ہے۔ میں نے سڑک پر سے ایک کُتے کا پلا چھوٹا سا پکڑ کر، گھر لا کر، اُن کی دال کی رکابی میں رکھ دیا۔ بیچارے روٹی چھوڑ کر کھڑے ہو گئے۔"[3]

موصوف گھر میں اور کس قسم کی کرامتیں دکھایا کرتے تھے۔ خود اُن کی زبانی ایک واقعہ سُنیے اور اندازہ کیجیے:

---

[1] اشرف علی تھانوی، مولوی: حکایاتِ اولیاء، ص ۲۸۷

[2] الافاضات الیومیہ، جلد چہارم، ص ۲۷۴

[3] ایضاً: ص ۲۷۳

"ہم لوگ والد صاحب کے پاس رہتے تھے۔ تین چارپائیاں برابر بچھی ہوتی تھیں، والد صاحب اور ہم دونوں بھائیوں کی۔ میں نے رسی لے کر سب کے پائے ملا کر خوب کس کر باندھ دیے اور لیٹ کر سو گئے۔ پھر والد صاحب بھی آ کر لیٹ گئے۔ اتفاق سے بارش آئی تو والد صاحب اُٹھے اور..... اپنی چارپائی گھسیٹی۔ اب وہاں تینوں چارپائیاں ایک ساتھ چلی آ رہی ہیں۔ بیحد غصّے ہوئے اور فرمایا کہ ایسی ایسی حرکتیں کرتے ہیں۔" [1]

اب ذرا یہ ملاحظہ ہو کہ تھانوی صاحب مسجدوں میں کیسی حرکتیں کیا کرتے تھے۔ موصوف نے اپنی ایک ایسی کرامت اپنے مریدوں کے سامنے یُوں فخر یہ بیان فرمائی اور اُس کی اشاعت کروائی گئی:

"ایک مرتبہ میرٹھ میں میاں الٰہی بخش صاحب مرحوم کی کوٹھی میں جو مسجد ہے (میں نے) سب نمازیوں کے جُوتے جمع کر کے اُس کے شامیانے پر پھینک دیے۔ نمازیوں میں غُل ہُوا کہ جُوتے کیا ہُوئے۔" [2]

موصوف حکیمانہ مسجدیں بناتے اور اُن میں نماز باجماعت کا اہتمام بھی کر دیا کرتے تھے۔ اب دیوبندیوں کے حکیم الامت صاحب کی زبانی سُنیے کہ وہ مسجد اور امامت کیسی ہوتی تھی:

"ایک روز سب لڑکے اور لڑکیوں کے جُوتے جمع کر کے اُن کو برابر رکھا اور ایک جُوتے کو سب کے آگے رکھا، وہ گویا کہ امام تھا اور پلنگ کھڑے کر کے، اُس پر کپڑے کی چھت بنائی، وہ مسجد قرار دی۔" [3]

تھانوی صاحب اپنی ایسی حرکتوں کے باعث اپنے خاندان اور والدِ محترم کے لیے باعثِ ننگ و عار مشہور ہو چکے تھے۔ چنانچہ اِس امر کا اُنھوں نے اپنے مریدوں کے سامنے خود یُوں اعتراف کیا تھا:

"جہاں اِس قسم کی کوئی بات شوخی کی ہوتی تھی۔ لوگ والد صاحب کا نام لے کر

---

[1] الافاضات الیومیہ، جلد چہارم، ص ۲۷۳ [2] ایضاً: ص ۲۷۳

[3] ایضاً: ۲۷۲

کہتے کہ اُن کے لڑکوں کی حرکت معلوم ہوتی ہے"۔ لہ

دیوبندی حضرات یہ کہہ سکتے ہیں تھانوی صاحب کی یہ نازیبا حرکات اُس وقت کی ہیں جب وُہ سنِ شعور کو نہیں پہنچے تھا۔ چلیے ایسا ہی ہوگا کہ جناب مولوی صاحب کو اُس وقت اپنے مریدوں اور معتقدوں میں ایسی بیہودہ باتوں کے تذکرے اور اُنھیں شایع کروانے کی کیا ضرورت پیش آتی تھی، جب کہ اُن کی علامگی اور دیوبندی فرقے میں اُن کے حکیم الامت اور مجدّدِ دین و ملت ہونے کے ڈھول بجائے جارہے تھے۔ کیا ہی اچھا ہوتا کہ وُہ مریدوں کے سامنے ایسی نازیبا حرکتوں کا سرے سے تذکرہ ہی نہ کرتے۔ بہرحال اب تھانوی صاحب کی اُس دور کی تہذیب و شرافت ملاحظہ فرمائیے، جب اُن کی علامگی اور خانہ ساز بزرگی کا آفتاب نصف النہار پر چمک رہا تھا۔ قارئینِ کرام! ذرا دیوبندیوں کے حکیم الامت اور مجدّدِ دین و ملّت کہلانے والے کی طرزِ گفتگو، معیارِ شرافت اور مریدوں کی تربیت کا اندازہ ملاحظہ فرمائیں۔ تھانوی صاحب فرماتے ہیں:

"ایک شخص نے مجھ سے شکایت کی کہ ذکر میں جو پہلے مزہ آتا تھا، اب نہیں آتا۔ میں نے کہا کہ میاں مزہ تو مذی میں ہوتا ہے، یہاں کیا مزہ ڈھونڈتے پھرتے ہو؟" لہ

دیوبندیوں کی تہذیب و شرافت کا ایک نادر شہکار اور ملاحظہ ہو۔ مولوی لطف اللہ دیوبندی نے لکھا ہے:

"مکتب کے لڑکوں نے حافظ جی کو نکاح کی ترغیب دی کہ حافظ جی نکاح کرلو، بڑا مزہ ہے۔ حافظ جی نے کوشش کر کے نکاح کیا اور رات بھر روٹی لگا لگا کر کھائی۔ مزہ کیا خاک آتا؟ صبح کو لڑکوں پر خفا ہوتے ہُوئے آئے کہ سُسرے۔ کہتے تھے کہ بڑا مزہ ہے، ہم نے روٹی لگا کر کھائی ہمیں تو نہ نمکین معلوم ہُوئی، نہ میٹھی، نہ کڑوی۔ لڑکوں نے کہا کہ حافظ جی! مارا کرتے ہیں۔ آئی شب، حافظ جی نے بیچاری کو خوب زدوکوب کیا۔ دے

لہ الافاضات الیومیہ، جلد چہارم، ص ۲۷۲

لہ الافاضات الیومیہ، جلد اول، ص ۳۰۷

جُوتا، دے جوتا، تمام محلہ جاگ اُٹھا اور جمع ہوگیا اور حافظ جی کو بُرا بُھلا کہا۔ پھر صبح آئے اور کہنے لگے کہ سسروں نے دِق کر دیا۔ رات ہم نے مارا بھی کچھ مزہ نہ آیا اور رُسوائی بھی ہُوئی۔ تب لڑکوں نے کھول کر حقیقت بیان کی کہ مارنے سے یہ مراد ہے۔ اب جو شب آئی تب حافظ جی کو حقیقت منکشف ہُوئی۔ صبح کو جو آئے تو مونچھوں کا ایک ایک بال کِھل رہا تھا اور خوشی میں بھرے ہُوئے تھے۔“ [1]

مولوی اشرف علی تھانوی صاحب کی حکیمانہ تعلیمات ملاحظہ ہوں جن کی مریدوں کو تلقین کرتے رہا کرتے تھے چنانچہ موصوف نے بغیر شرمائے ایک واقعہ اپنے مریدوں کے سامنے یُوں بیان کیا جو ملفوظات کا حصہ قرار پایا؛

”عوام کے عقیدہ کی بالکل ایسی حالت ہے جیسے گدھے کا عضوِ مخصوص، بڑھے تو بڑھتا ہی چلا جائے اور جب غائب ہو تو بالکل پتہ ہی نہیں۔ واقعی عجیب مثال ہے۔“ [2]

یہ عجیب مثال ہے تو تھانوی صاحب کی زبانی ذہانت کا کمال ملاحظہ ہو۔ اُنھوں نے فرمایا تھا؛

”ایک شخص کسی مکان میں اندر سے کنڈی لگا کر کسی عورت سے زنا کر رہا تھا۔ لوگوں نے دستک دی تو اب اندر سے کہتا ہے کہ میاں! یہاں جگہ کہاں؟ یہاں خود ہی آدمی پر آدمی پڑا ہے۔ دیکھ لیجیے کیسا سچا آدمی تھا۔ جھوٹ نہیں بولا۔ کیسی ذہانت کا جواب ہے۔“ [3]

خیر یہ تو تھانوی صاحب نے اپنے مخصوص حکیمانہ انداز میں جھوٹ نہ بولنے کی تلقین فرمائی ہے اب بزرگی کے اظہار اور حقایق و معارف بیان کرنے کا طریقہ بھی جامع المجدّدین صاحب ہی سے معلوم کرنا چاہیے کیونکہ اُن کے سوا اِس شرافت سے بلسے ہُوئے کوچہ کا شناسا اور

---

[1] لطف اللہ، مولوی: علمائے حق، ص ۱۲

[2] الافاضات الیومیہ، جلد چہارم، ص ۷

[3] الافاضات الیومیہ، جلد چہارم، ص ۵۰۰

کون ہوسکتا ہے۔ موصوف نے ایک مرتبہ فرمایا تھا:

"ماموں صاحب بولے کہ میں بالکل ننگا ہو کر بازار میں ہو کر نکلوں۔ اِس طرح ایک شخص تو آگے سے میرے عضوِ تناسل کو پکڑ کر کھینچے، ساتھ میں لڑکوں کی فوج ہو اور وہ یہ شور مچاتے جاویں، بھڑوا ہے، بھڑوا ہے اور اُس وقت مَیں حقائق اور معارف بیان کروں۔" [1]

تھانوی صاحب کا یہ حکیمانہ ملفوظِ گرامی بھی دیوبندیوں کی تربیت کے لیے مشتہر کیا گیا ہوگا۔

چنانچہ لکھا ہے:

"قصبہ رامپور میں حضرت مولانا گنگوہی نے ایک واقعہ میں طلاق کے متعلق کوئی فتوٰی دیا تھا۔ کسی عورت نے قرآن شریف کا ترجمہ پڑھ کر اُس کے خلاف یہ فتوٰی دے دیا کہ قرآن میں یہ لکھا ہے۔ حکیم ضیاء الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے بیان کیا۔ فرمایا وہ کیا جانے چُتّڑ وکہیں کی۔" [2]

میرا خیال ہے کہ دیوبندی حضرات کے بقیۃ السلف وعمدۃ الخلف عالیجناب تھانوی صاحب کے ملفوظاتِ مذکورہ بالا ہی اِس جماعت کی تہذیب و شرافت اور بزرگی کو سمجھنے کے لیے کافی ہیں۔ مَاقَلَّ وَکَفٰی کے تحت، طوالت سے بچنا اور اِن پر ہی اکتفا کرنا مناسب ہے۔ قارئینِ کرام نے اِن سے ہی بخوبی محسوس کر لیا ہوگا کہ: ؎

ہیں ستارے کچھ، نظر آتے ہیں کچھ
دیتے ہیں دھوکا یہ بازیگر کھُلا